ایران ــ بحوالہ دہشت گردی وتباہ کن ہتھیار

تحریر: ڈاکٹر ڈینیئل بائی مین*
ترجمہ: پروفیسر اے- ڈی- میکن

۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد سے دنیا بھر میں ایران دہشت گردی کو فروغ دینے میں سب سے زیادہ فعال رہا اور بہت سے دہشت گرد گروہوں کی تربیت کر کے نہ صرف انہیں مسلح کیا بلکہ ان کی مالی، اخلاقی اور تنظیمی معاونت بھی کی۔ ایران نے خلیجی ہمسایہ ممالک کے گروپوں کو بھی مضبوط کیا اور اس خطے سے باہر یعنی لبنان، فلسطینی علاقوں، بوسنیا اور فلپائن کے علاوہ بھی کئی خطوں کے دہشت گرد گروہوں کی ایران پوری شدت سے معاونت کر رہا ہے۔ لہٰذا اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ اسلامی انقلاب کے پچیس سال بعد بھی امریکہ کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ایران کو ''دہشت گردی کی معاونت کرنے والی سب سے فعال ریاست'' گردانتا ہے۔

اس کے باوجود اس بات کا امکان کم ہے کہ ایران کسی جہادی دہشت گرد گروہ کو کیمیائی، حیاتیاتی اور نیوکلیائی ہتھیار فراہم کرے گا۔ اس کی تین بڑی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

اول: ایسے ہتھیاران دہشت گرد گروہوں کو فراہم کر کے ایران کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں کر سکے گا، کیونکہ یہ گروہ موجودہ ہتھیاروں کے ساتھ بھی اپنی سرگرمیوں کو مؤثر انداز میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دوم: حالیہ برسوں میں ایران خود ان گروہوں کی معاونت کے حوالے سے خاصا حساس ہو گیا

---

* ڈائریکٹر سینٹر فار پیس اینڈ سیکیورٹی سٹڈیز، جارج ٹاؤن یونیورسٹی، سینئر فیلو سابان سینٹر فار مڈل ایسٹ پالیسی بروکنگ انسٹی ٹیوٹ
E-mail:alb32@georgetown.edu

ہے (کیونکہ اب ایسی امداد کو چھپانا آسان نہیں رہا)۔
سوم: ایران کو احساس ہو گیا ہے کہ عالمی دہشت گرد گروہوں کی عسکری امداد کا معمولی سراغ بھی نہ صرف امریکہ کو برانگیختہ کر دے گا بلکہ دنیا بھر میں امریکی حمایت بھی بڑھ جائے گی۔

ماضی میں ایران کا دہشت گردی کا استعمال

بنیادی طور پر ایران نے ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد سے ہی دنیا کے مختلف خطوں میں سرگرم عمل راسخ العقیدہ گروہوں کو امداد فراہم کرنا شروع کر دیا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دہشت گردوں کی سرپرستی کرنے والا دنیا کا فعال ترین ملک بن گیا۔ ابتدائی طور پر اس اسلامی انقلاب کو دوسرے ممالک تک پھیلانا ایرانی خارجہ پالیسی کا جزو اول بنا اور اسی بنا پر دنیا بھر کے انتہا پسند مذہبی گروہوں سے ایران کے روابط بھی بڑھے۔ ایران کی مذہبی قیادت نے بیرون ملک اس انقلاب کے فروغ کی کوششوں کو انقلابی فریضے کی حیثیت دے دی۔ مذہبی رہنماؤں کی جانب سے انقلاب ایران کے حق میں جو دلائل دیے گئے انہوں نے جغرافیائی حد بندیوں سے بے نیاز ہو کر تبلیغ اسلام کو اجاگر کرنے کا اخلاقی جواز پیش کیا۔ اسلامی ایرانی انقلاب کے قائد آیت اللہ خمینی نے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا تھا:

''ہمیں اس انقلاب کو دنیا میں پھیلانے کی سعی بلیغ کرنا ہے۔--- ہم اپنے نظریے کی قوت کے بل بوتے پر دنیا سے ٹکرا جائیں گے''۔

یہاں تک کہ ایران کا آئین اپنی مسلح افواج کو یہ ذمہ داری سونپتا ہے کہ ''خدا کی حاکمیت کے قانون کو دنیا کے کونے کونے تک پھیلائے''۔

ایران کی نئی قیادت کے نزدیک اسلام کی حمایت کا مطلب ''انقلاب'' کی حمایت ہے۔ اگرچہ دوسری انقلابی حکومتوں جیسے مخصوص نقطۂ نظر رکھنے کے باوجود ایرانی راہنما کچھ محتاط تو ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ انقلاب کو پھیلانے میں ہی ایران کی بقاء ہے۔ آیت اللہ خمینی نے باقاعدہ اعلان کیا کہ

''آج تمام سپر پاورز اور باقی بڑی قوتیں ہمارے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ ایسے حالات میں اگر ہم کھل کر سامنے نہیں آئے تو شکست ہمارا مقدر بن جائے گی''۔

ایران میں شاہ ایران کے خلاف اپنی کامیابیوں کے جوش میں ایرانی قیادت نے اپنے اس یقین کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ بیرونی دنیا کے لیے بدعنوان اور ناجائز حکمران مثلاً عراق کا صدام حسین اور سعودی عرب کا السعود خاندان بھی جلد ہی ایسے ہی انقلاب کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ساتھ ہی ایران کی نئی قیادت نے دنیا بھر کی شیعہ تنظیموں کے ساتھ رابطے بڑھانا شروع کر دیے۔ اس لیے کہ دنیا کی واحد شیعہ ریاست ہونے کے باعث وہ دنیا بھر کے شیعہ گروپوں کی سرپرستی کو اپنا دینی فریضہ قرار دیتی ہے۔ اسلامی دنیا کے اکثر ممالک میں شیعوں کے ساتھ غیر منصفانہ اور امتیازی سلوک ہونے کے باعث انقلابِ ایران نہ صرف انہیں متاثر کرتا ہے بلکہ وہ سرپرستی حاصل کرنے کے لیے ایران کا رخ کرتے ہیں۔ نتیجتاً ایران نے عراق، بحرین، سعودی عرب، کویت، پاکستان اور کئی دوسرے خطوں میں موجود شیعہ گروہوں کی حمایت اور سرپرستی شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران کے اسلامی انقلاب کے بانیوں کی نظر میں یہ محض شیعہ تحریک نہیں تھی بلکہ ایران نے دنیا بھر کے ان گروہوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا جو کسی وجہ سے محرومیت کا شکار تھے۔ چنانچہ بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ایسے کئی انقلابی گروہ ایران کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

اس نظریہ کی حمایت کے باعث ایران اور اس کے ہمسایہ ممالک کے درمیان دشمنی کی ایک فضا قائم ہو گئی۔ لہٰذا ان ملکوں نے ایران کی مسلسل مذمت کی، اس کے ساتھ تجارت کو محدود کر دیا، اس کے خلاف اتحاد قائم کیے اور ایران کی حکومت کے (اندرونِ ملک) مخالف گروہوں کی حمایت کرتے ہوئے ایران کی انقلابی حکومت کو تنہا اور کمزور کرنے کے لیے بہت سی کارروائیاں کیں۔ چنانچہ ایران کی ایسے ہمسایہ ممالک کے ساتھ ایک فطری رقابت پیدا ہو گئی اور ان سے نمٹنے کے لیے فی الوقت ایران کے پاس دہشت گردی اور تخریب کاری کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ایران کا مقصد ان تخریبی کارروائیوں کے ذریعے ان ہمسایہ ممالک کی حکومتوں کو کمزور کر کے ان کا تختہ الٹنا تھا جو ایران کے خیال میں ناجائز طریقے سے اقتدار پر قابض تھیں۔ اسی حوالے سے ۱۹۸۱ء میں یعنی اسلامی انقلاب کے فوراً بعد ایران نے بحرین کے راسخ العقیدہ شیعہ گروہ ''الجبهة الاسلامة لتحرير البحرين'' (اسلامی

فرنٹ برائے آزادیٔ بحرین) کو خلیفہ خاندان کے اقتدار کا تختہ الٹنے میں مدد فراہم کی۔

اسی انداز میں ایران نے عراق کی (انقلابی جماعت) المجلس الاعلی للثورۃ الاسلامیہ کی معاونت کی۔ اقتدار سنبھالتے ہی ایران کی اسلامی حکومت نے صدام حسین کی حکومت کے خلاف اندرونی خلفشار پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی، جس کے نتیجے میں صدام حسین نے بہت سے شیعہ راہنماؤں کو محض اس خوف سے قتل کر دیا کہ کہیں وہ عراق میں بھی ایرانی انقلاب جیسی کسی ممکنہ تبدیلی کو تقویت نہ پہنچا دیں۔ اس سے دونوں ممالک کے مابین نفرت اور بڑھی۔ ایران نے انقلاب کے فوراً بعد ہی عراق میں مذہبی انتہا پسندی کے فروغ کی کوششیں شروع کر دیں۔ یہی وہ فیصلہ تھا جس کے جواب میں عراق کو ایران پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ جیسے جیسے جنگ آگے بڑھی خمینی نے اعلان کر دیا کہ القدس کی آزادی کا راستہ بغداد سے گزرتا ہے۔ اسی طرح ۱۹۸۲ء میں ایران نے عراق کے کئی شیعہ گروہوں کو المجلس الاعلی للثورۃ الاسلامیہ کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ یہ ایک طرح کی گوریلا تنظیم تھی جسکا اولین مقصد صدام حکومت کو کمزور کرنے کے لیے عراقی سیاسی راہنماؤں کو بڑے پیمانے پر قتل کرنا تھا۔ یہ تنظیم مستقبل قریب میں اقتدار کے خواب بھی دیکھ رہی تھی۔ ایرانی مصنف اور ماہر آر۔ کے رمضانی کے بقول ''ایران کا مقصد صدام حسین کے اقتدار کو کمزور کر کے عراق میں ایران جیسی اسلامی حکومت قائم کرنا تھا''۔

ایسی کارروائیوں سے ایران نہ صرف اپنے ہمسایہ ممالک کو کمزور کرنے بلکہ دہشت گردی کے ذریعے ایرانی حدود سے باہر بھی اسلامی انقلاب کے جذبات ابھارنے کا موقع حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ ایران کے پاس ائیر کرافٹ کیریر جیسی آسائشات اور اس سطح کا اسلحہ موجود نہیں تھا اور اس کی معیشت بھی کافی کمزور ہے اس لیے ملک سے باہر ان کی اپیلوں پر کسی نے کان نہیں دھرے۔ چنانچہ ایرانی حکومت نے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لیے ملک سے باہر خصوصاً عرب اسرائیل اکھاڑے کے علاوہ یورپ میں بھی دہشت گردوں کو معاونت بہم پہنچائی۔ یہاں تک کہ ۱۹۹۰ء کی دہائی تک ایرانی سراغ رساں ادارے ایرانی باغیوں کو یورپ بھر میں قتل کرتے رہے ہیں۔

ایران نے دہشت گرد گروہوں کی پشت پناہی کے ذریعے بعض مخالفین کو کمزور کرنا چاہا بلکہ ان کی حکومتوں میں حزب اختلاف کو بھی مضبوط تر کیا۔ مثلاً جب اسرائیل نے لبنان پر چڑھائی کی اور نتیجے کے طور پر خطے میں یورپی اور امریکی فوجی تعینات ہو گئے تو ایران نے ''عمل'' جیسے منظم اور مقبول عام گروہ کو کمزور کرنے کی کوشش کی کیونکہ اس نے اسرائیل کے ساتھ تعاون کیا تھا اور اس کے مقابلے میں ایرانی اداروں، سفارتکاروں اور اسلامی انقلاب گارڈ کے دستوں نے حزب اللہ کو پروان چڑھایا جو متنوع شیعہ گروہوں کے منتخب افراد پر مشتمل ہے۔ ایران نے اس نئی تنظیم کی نہ صرف معاونت کی بلکہ وادیٔ بقاء میں اس کی افرادی قوت میں اضافہ بھی کیا۔ اس مقصد کے لیے ایران نے بنیادی انتظامی ڈھانچے (infrastructure) اور سماجی بہبود کے نیٹ ورک کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔ اسی سلسلے میں مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ تنظیم سازی کی گئی۔ نتیجہ یہ کہ اس خطے میں ایک طاقتور اور وفادار تنظیم ایران کے ہاتھ آ گئی۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں حزب اللہ کے ایک سینئر رکن نے ان الفاظ میں اس امر کی گواہی دی:

''اسلامی انقلاب (ایران میں) سے ہمارا تعلق ویسا ہی ہے جیسا ایک جونیئر کا ایک سینئر کے ساتھ یا ایک سپاہی کا جرنیل کے ساتھ ہو سکتا ہے''۔

اندرونِ ملک سیاست نے بھی ایران کو ان راسخ العقیدہ گروہوں کی معاونت کرنے کا حوصلہ دیا۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ایران نے بہت سے شیعہ گروہوں کو امداد بہم پہنچائی جن میں عراق کی دعویٰ پارٹی، اسلامی فرنٹ برائے آزادیٔ بحرین اور پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس کا جواز یہ ٹھہرا کہ دنیا کی واحد اسلامی مملکت کی ذمہ داری ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی بالعموم اور شیعہ مسلمانوں کی بالخصوص معاونت کرے۔ اس دعوے کے حامل ملک کے لئے اپنی امداد کو خفیہ رکھنا ممکن نہ تھا۔

ایسے راسخ العقیدہ گروہوں کو مدد پہنچا کر جو وقار ایران نے حاصل کیا اسکی بازگشت بیرون ملک بھی پہنچی۔ ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد عالم اسلام کی قیادت کے حوالے سے ایران اور سعودی عرب میں ایک طرح کا جذبہ مسابقت پیدا ہوا جس نے جلد ہی رقابت کی شکل اختیار کر لی۔ ایران نے

راسخ العقیدہ گروہوں کی امداد کے ذریعے دراصل دوسری اسلامی انقلابی جماعتوں کو بھی ایک طرح کا پیغام آزادی دیا۔ خصوصاً امریکہ اور اسرائیل کو زک پہنچانے کے لیے ایران کو جو ہتھیار موثر لگے ان میں دہشت گردی سرفہرست تھی۔ ایران کی سرپرستی میں پروان چڑھتے ہوئے گروپ حزب اللہ نے بڑے ڈرامائی انداز میں اس وقت امریکی توجہ حاصل کر لی جب اس نے ۱۹۸۳ء میں بیروت میں امریکی سفارت خانے پر خودکش حملہ کیا جس میں ۱۷ امریکی شہریوں سمیت ۶۳ افراد ہلاک ہوئے۔ اسی سال اکتوبر میں امریکی میرین بیرکوں پر حملہ ہوا جس میں ۲۴۱ امریکی فوجی ہلاک ہوئے جب کہ اسی موقعے پر ایک اور حملے میں ۵۸ امن دستوں کے فوجی بھی مارے گئے۔ ان حملوں اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساس کے باعث امریکی صدر ریگن کو فروری ۱۹۸۴ء کو اپنے امن دستے واپس بلانا پڑے۔ ''حزب اللہ'' نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں بہت سے مغربی شہریوں کو یرغمال بنایا جن میں سے کئی قتل کر دیے گئے۔ اسی عرصے میں حزب اللہ نے اپنی کئی ذیلی تنظیموں کے ذریعے ۱۷ امریکی، ۱۵ فرانسیسی، ۱۴ برطانوی، ۷ سوس اور ۷ مغربی جرمن شہریوں کو یرغمال بنایا۔ اس کے علاوہ ۲۷ دیگر خطوں کے افراد بھی ان میں شامل تھے، جن میں سے کئی قتل کر دیے گئے۔ جبکہ جولائی ۱۹۹۴ء میں بیونس آئرس میں یہودی کمیونٹی سینٹر کو نشانہ بنایا جہاں ۸۶ افراد مارے گئے۔ حزب اللہ نے بعض دوسرے ایسے گروہوں کی معاونت بھی کی جن کے ساتھ ان کے عزائم مشترک تھے۔ ۱۹۹۶ء میں ایران ہی کی ہدایت پر سعودی عرب میں واقع خُبر میں امریکی عسکری ٹھکانے پر حملہ کیا گیا۔ اس حملے میں ۱۷ امریکی ہلاک ہوئے۔

ایران نے حزب اللہ کے علاوہ اسرائیل پر حملوں میں ملوث کئی دوسرے گروپوں کی بھی مدد کی۔ ایسے ہر موقع پر ایران کی کوشش تھی کہ اسکی عسکری کم مائیگی کا ازالہ خودکش حملوں سے کیا جا سکے۔

بیرون ملک قائم عسکری تنظیموں کو استعمال کرنے سے ایران کو یہ سہولت کسی حد تک حاصل رہی کہ وہ ان کارروائیوں سے بری الذمہ ہونے کا دعوی کر سکے۔ بلکہ اس نے معاملات میں براہ راست ملوث ہوئے اور اسکے لیے مناسب قیمت ادا کیے بغیر بہت سے مواقع پر امریکہ، اسرائیل اور عراق کو

مدد دینے والے دیگر ممالک کے خلاف اپنے مفادات کے حصول میں کامیابی حاصل کی۔

ایران آج دہشت گردی کو کیسے استعمال کر رہا ہے؟

۱۹۸۰ء سے جاری ایرانی دہشت گردی میں اچانک ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ اس تبدیلی کا بڑا عنصر یہ ہے کہ اب ایران نے براہ راست امریکی مفادات پر حملے کی پالیسی ترک کر دی ہے اگرچہ وہ اب بھی ایسی دہشت گردانہ کارروائیوں کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ بلکہ اب اس نے دہشت گردی کو بطور مزاحمت استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ امریکہ کو باور کرا دیا جائے کہ اگر ایران پر دباؤ بڑھایا گیا تو دنیا بھر میں اس کے سفارت خانے، دیگر اہم شخصیات اور بیرون ملک امریکی ٹھکانے محفوظ نہ رہیں گے۔ اسی طرح ایران نے یورپ اور خلیج کے علاقوں میں اپنی چھاپہ مار کارروائیوں میں پچھلے دس سال سے معتدبہ کمی کر دی ہے۔ ایرانی ارباب اختیار اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ایسی کارروائیاں جاری رکھنے سے ایک تو یورپ ایران پر پابندیوں کا حامی ہو جائے گا اور سرمایہ کاری میں کمی کے باعث ایرانی معیشت کو زک پہنچے گی۔ نوے کی دہائی کے وسط میں اس وقت کے ایرانی صدر علی اکبر ہاشمی رفسنجانی نے عرب اور مشرق وسطی کی ریاستوں کے ساتھ نرم پالیسی کا آغاز کیا تو ان ریاستوں کی قیادت کا تختہ الٹنے کی ایرانی سرگرمیاں بھی ختم ہو گئیں۔ اگرچہ اب بھی وہاں کی انتہا پسند شیعہ جماعتوں کے لیے ایرانی مدد جاری ہے۔

ان تین بنیادی تبدیلیوں کے بعد دہشت گردی سے متعلق ایرانی پالیسی میں ایک عجیب تغیر کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ آج کل ایران دہشت گردی اور انتہا پسند گروہوں کی مدد کو ایک بالکل ہی مختلف انداز میں استعمال کرتا ہے۔ ان میں سے امریکہ کے لیے جن کی خصوصی اہمیت ہو سکتی ہے وہ لبنان کے گروپ ''حزب اللہ'' کے ساتھ ایران کے قریبی اور عملی رابطے، فلسطینی اسرائیل مخالف گروہوں کی خفیہ مدد، اندرون عراق بہت سے گروہوں کے ساتھ ایرانی روابط اور القاعدہ کے ساتھ بے قاعدہ اور غیر مربوط

تعلقات شامل ہیں۔

لبنانی حزب اللہ

ایران نے جتنے دہشت گرد گروہوں کی حمایت شروع کر رکھی ہے ان میں سے اسکے لیے سب سے زیادہ اہمیت حزب اللہ کی ہے۔ حزب اللہ اور ایران کے مابین جس طرح کا تعلق قائم ہے، اس کی کسی اور ملک کے حوالے سے تاریخ میں مثال ملنا مشکل ہے۔ ایران نے جس طرح حزب اللہ کو ترتیب دیا، اسکی تربیت کی اور اسے منظم کیا اس سے خود بخود ایران کو ایک قابل بھروسہ مقابلتاً طاقتور اور خود مختار دہشت گرد گروہ میسر آ گیا۔ اس کے جواب میں حزب اللہ نے بڑی وفاداری کے ساتھ بیرون ملک ایرانی دشمنوں پر کامیاب حملے کیے ہیں۔ وہاں مقیم ایرانی باغیوں کا صفایا کیا ہے اور بیرونی دنیا میں اسلامی جمہوریہ ایران کے مفادات کا تحفظ کیا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ایران نے حزب اللہ کو اس طرح منظم کر کے اسے تقویت دی ہے کہ یہ انتہائی نچلی سطح سے چل کر آج اس مقام پر پہنچ گئی ہے جہاں وہ نہ صرف (ایران کی) تحریک کو قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے بلکہ ایران کی ہدایت پر مسلسل کارروائیاں کر رہی ہے۔ ایران کی طرف سے حزب اللہ کی سرپرستی ہی ہے جس کے باعث امریکہ ایران کو دہشت گرد ملکوں میں سرفہرست مانتا ہے۔ اگرچہ حقیقی رقم کا تعین مشکل ہے مگر اندازاً ایران ہر سال حزب اللہ کو ۱۰ کروڑ ڈالر کی امداد فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایرانی فوج نہ صرف حزب اللہ کی افرادی قوت کی تربیت کرتی ہے بلکہ اسے جاسوسی معلومات بھی بہم پہنچاتی ہے۔ مزید یہ کہ حزب اللہ ایرانی سراغ رساں اداروں اور اسلامی انقلابی گارڈ کے دستوں کی معاونت سے اپنے آپریشن جاری رکھتی ہے اور اس کا تعلق ایران کے اعلیٰ ترین راہنما آیت اللہ علی خامنہ ای سے ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق حزب اللہ کا چیف دہشت گرد عماد، خامنہ ای کا معتقد ہے بلکہ اپنے مقامی فیصلوں میں بھی انہی کے حکم مانتا ہے۔ خصوصاً بیرون ملک حزب اللہ کی سرگرمیوں میں ایران کے اثر و رسوخ میں کوئی شک شبہ نہیں۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ جیسے ہی

ایران نے یورپ میں اپنی سرگرمیاں ختم کرنے کا اعلان کیا وہاں حزب اللہ کی سرگرمیاں بھی ختم ہو گئیں۔اس سرپرستی کے جواب میں ایران کو اپنی حدود سے باہر اسرائیل کے خلاف ایک عمدہ ہتھیار اور اثر ورسوخ میسر آجاتا ہے۔ یہ حزب اللہ ہی ہے جس کی بدولت ایران کو جغرافیائی حد بندیوں سے ماورا مشرق وسطی کے امن کے عمل میں کردار ادا کرنے کا موقع ملا ہے۔ چونکہ حزب اللہ کے ٹھکانے اور کارروائیوں کے مراکز دنیا بھر میں موجود ہیں اس لئے ایران جس وقت چاہے دنیا بھر میں دہشت گردی میں اضافہ کرسکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں جب کوئی اور متبادل دستیاب نہ ہو۔

آج کی حزب اللہ ماضی کی تحریک کے مقابلے میں کہیں زیادہ محتاط ہے، کیونکہ اب تنظیم کی ضرورت گزشتہ کامیابیوں کے باعث زیادہ سے زیادہ افراد کو قتل کرنا نہیں رہا۔امریکی اور مغربی فوجیوں کے انخلاء اور پھر ۲۰۰۰ء میں اسرائیل کے خلاف کامیاب کارروائیوں نے خطے میں حزب اللہ کا وقار بلند کیا ہے۔اس میں خصوصاً لبنانی عوام میں حزب اللہ کی مقبولیت کی اہم ترین وجہ یہی تاثر ہے کہ ان کی بدولت یہاں سے غیر ملکی تسلط ختم ہوا۔البتہ اگر حزب اللہ نے بیرون لبنان ایسی سرگرمیاں جاری رکھیں جن کے باعث امریکہ یا اسرائیل کو جوابی کارروائی کرنا پڑی تو شاید حزب اللہ کی مقبولیت قائم نہ رہ سکے۔حال ہی میں لبنان سے شامی فوجوں کے انخلاء سے بھی حزب اللہ پر یہ دباؤ بڑھ سکتا ہے کہ وہ بیرون لبنان سرگرمیوں کا سلسلہ ترک کر کے ملک کے اندر تک اپنی سرگرمیوں کو محدود کردے۔

اب حزب اللہ کی حیثیت محض دہشت گرد گروہ کی نہیں رہی بلکہ اس نے ایک گوریلا اور سیاسی تحریک کی شکل اختیار کرلی ہے جو حسب ضرورت دہشت گردی کو سیاسی آلہ کے طور پر بھی استعمال کر سکتی ہے۔ حالیہ سالوں میں اسکی دہشت گردانہ سرگرمیوں میں واضح کمی آئی ہے تاہم فلسطینیوں کو انکی دہشت گردانہ سرگرمیوں میں سہولت اور مدد پہنچانے کی اسکی صلاحیت اب بھی باقی ہے۔ ابھی تک حزب اللہ نے اپنے طویل فاصلے (حیفہ وغیرہ) تک مار کرنے والے ہتھیار استعمال نہیں کیے جن کا مقصد اسرائیل کو توسیع پسندانہ عزائم سے باز رکھنا ہے ایسا کرنے کے پیچھے حزب اللہ کا یہ ادارک بھی کارفرما تھا کہ شہری آبادیوں پر حملوں سے ان کی دہشت گردانہ حیثیت اجاگر ہوگی جس کے نتیجے میں

انہیں اندرون و بیرونِ ملک اپنے حامیوں کی حمایت سے محروم ہونا پڑے گا۔

فلسطینی گروپ

ایران اسرائیل کے خلاف فلسطینی شدت پسندوں کی کافی عرصے سے مدد کر رہا ہے اور ستمبر ۲۰۰۰ء سے شروع ہونے والے انتفادہ کے آغاز سے مسلسل ان کی امداد کر رہا ہے۔ فلسطینیوں کی حمایت سے ایران مختلف مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اول یہ کہ چونکہ ایران اسرائیل کو غاصب استعماری حکومت سمجھتا ہے۔ اس لیے فلسطینیوں کی مدد کو اپنا اخلاقی اور مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ دوم یہ کہ فلسطین کی مدد سے پوری مسلم دنیا میں ایران کا وقار بلند ہوتا ہے۔ اور سوم اور شاید سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کے مابین مستقل امن قائم نہ ہونے کی صورت میں ایران دنیا میں تنہا ہونے سے بچا رہتا ہے۔ ایران کو خوف ہے (اور صحیح ہے) کہ امریکہ اسے شر پسند ملک قرار دے کر تنہا کر دینا چاہتا ہے۔ وہ فلسطین اسرئیل قضیے کو زندہ رکھ کر امریکہ کو ایران میں حکومت کی تبدیلی کے لیے توجہ اور وسائل کے ارتکاز کا موقع نہیں دینا چاہتا بلکہ اسکی توجہ دیگر معاملات میں الجھائے رکھنے میں اب تک کامیاب ہے۔

سالہا سال سے ایران فلسطین کے کئی گروہوں کی امداد کرتا رہا ہے جن میں ''الفتح'' اور ''حماس'' کی اسلامی تحریکیں سرفہرست ہیں۔ ایران نے ان گروپوں کو نہ صرف مالی امداد دی ہے بلکہ اپنے حمایتی لبنانی گروپ حزب اللہ کی مدد سے محدود حربی تربیت بھی بہم پہنچائی ہے۔ اگرچہ دونوں تحریکیں ایرانی اثر و رسوخ سے آزاد ہیں۔ فلسطین میں ایران کی اہم ترین نمائندہ جماعت ''اسلامی جہاد'' سب سے زیادہ شد و مد کے ساتھ ایران کے اشاروں پر چلتی ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جو اسرائیل کے لیے سب سے زیادہ خونخوار ثابت ہوا ہے اور اسرائیلی شہریوں پر حملے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

عراق میں انتہا پسند گروہ

بغداد اور تہران کے مابین مدتوں سے خلیج کے علاقے کی چودھراہٹ کے حوالے سے ایک طرح

کی رقابت موجود رہی ہے۔ ایران اور عراق کی مشترکہ سرحد کافی طویل ہے اور ۸۰ء کی دہائی میں چلنے والی ایران-عراق جنگ نے واضح کر دیا ہے کہ بغداد میں مخالف گروہ کا اقتدار ایران کو کن کن خطرات سے دوچار کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ ایران خود کو دنیا بھر کے شیعہ مسلمانوں کا سرپرست سمجھتا ہے اس لیے عراق کی شیعہ اکثریت کے مستقبل میں اس کی دلچسپی عین فطری ہے۔ مزید برآں یہ کہ ایرانی اور عراقی شیعہ مذہبی قیادت کے مابین شادیاں ایک معمول کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایران کو یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ عراق میں عدم استحکام ایرانی کردوں کو بغاوت پر اکسا سکتا ہے، یا اُسے عراقی علاقوں سے آنے والے مہاجرین کے مسائل سے دوچار کر سکتا ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایران نے لبنانی حزب اللہ کی مدد سے عراق کے طول و عرض میں جاسوسی کا جال بچھا رکھا ہے اور یوں وہاں موجود نہ ہوتے ہوئے بھی موجود ہے۔

ایران کے عراقی شیعہ گروہوں کے ساتھ خصوصی طور پر قریبی تعلقات ہیں جن میں سے کئی گروہ اس وقت عراق کی حکومت اور سیاست میں سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ یہ گروہ ایران کے کارندوں کی حیثیت نہیں رکھتے مگر ان کے ایرانی قیادت کے ساتھ قریبی رابطے ضرور ہیں۔ ایران نے بڑی حد تک عراقی شیعوں کے اتحاد کی کوشش کی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ امریکی پشت پناہی میں چلنے والا سیاسی عمل بہت سے ایرانی مفادات پورے کر سکتا ہے۔

اگرچہ کئی موقعوں پر ایران کے حامی گروہوں نے امریکیوں یا امریکہ کے حمایتیوں پر حملے کیے ہیں مگر عمومی صورت میں ایران عراق میں استحکام کا خواستگار ہے۔ یہ پوری طرح واضح نہیں ہے کہ پھر ایسے حملوں کے پیچھے ایرانی ہدایت تھی یا نہیں۔ اس امکان کو یہ خیال رد کرتا ہے کہ حال ہی میں عراق کی جو قیادت ابھری ہے وہ ایران کے مطلوبہ خصائص کی حامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران کو اچھی طرح اندازہ ہے کہ اگر عراق میں گڑبڑ ہوئی تو اس کے اثرات تہران تک پہنچیں گے اور پھر اس سے امریکہ کو بھی جوابی کارروائی کا بہانہ مل جائے گا۔ اگرچہ عراق میں ایران اور امریکہ کے مفادات میں کوئی مماثلت نہیں ہے تاہم ایران عراق کو لبنان بنتے نہیں دیکھ سکتا۔

اس میں شک نہیں کہ ایران جب چاہے عراق میں بڑی بدامنی پھیلا سکتا ہے۔ امریکہ کی خوش قسمتی ہے کہ شیعہ اکثریتی علاقوں میں تشدد کی کارروائیاں بہت کم ہیں۔ تاہم چند سو جنگجو اس صورت حال کو تبدیل کر سکتے ہیں کیونکہ امریکی افواج کی توجہ سُنی اور ملی جلی آبادی پر مرکوز ہونے کے باعث بہت بڑے علاقے پر پھیلی ہوئی ہے اور یوں کسی ایک جگہ کے فتنے کو کنٹرول کرنا امریکی افواج کے لیے آسان نہ ہوگا۔ اگرچہ عراق کے ماحول کو شوریدہ کرنا خود ایران کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے مگر یہ بھی درست ہے کہ اس اضافی صلاحیت سے اسے عراق کی مستقبل کی حکومتوں بلکہ امریکہ پر بھی بڑی حد تک ایک مخصوص برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ ایران شاید اس وقت اس صلاحیت کا بھرپور استعمال کرے گا جب اسے لگا کہ امریکہ وہاں سے ایرانی اثر و رسوخ کے خاتمے کی کوشش میں ہے، یا وہ غیر معینہ مدت کے لیے عراق میں موجود رہنا چاہتا ہے یا پھر یہ کہ امریکہ ایران کے جوہری توانائی کے پروگرام پر ہونے والی پیش رفت کے پس منظر میں کوئی سخت موقف اختیار کر لیتا ہے۔

القاعدہ اور سُنی جہادی تنظیمیں

ایران کے القاعدہ سمیت سُنی جہادی تنظیموں سے بھی رابطے ہیں۔ گیارہ ستمبر کے واقعے کی تحقیق و تفتیش کرنے والے کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ۱۹۹۱ء یا ۱۹۹۲ء میں ایران کے القاعدہ کے ساتھ روابط کا سراغ ملتا ہے اور القاعدہ کے ارکان نے ۹۰ء کی دہائی کے دوران ایران اور لبنان میں حربی تربیت حاصل کی۔ گیارہ ستمبر کے واقعے میں ملوث یا مشکوک بہت سے افراد نے امریکہ پہنچنے سے قبل ایران میں عارضی قیام کیا اور ایران کی اس پالیسی سے فائدہ اٹھایا کہ اگر ہوائی مسافر افغانستان سے آ رہے ہیں تو ایران میں انہیں ویزا اسٹیمپ کی ضرورت نہیں۔ اس پالیسی کے باعث سعودی حکومت کے امن و امان قائم کرنے والے اداروں کے لیے دہشت گردوں (جو دہشت گردی کی کارروائیوں کے بعد وطن واپس لوٹتے تھے) کی نشان دہی کرنا مشکل ہو گیا تھا۔

گیارہ ستمبر کے بعد سے ایران نے سُنی مجاہدین سے نمٹنے کے لیے امریکہ سے کافی تعاون کیا

ہے۔ بعض اوقات تو ایران یہاں تک چلا گیا کہ ایران سے گزرنے والے ایسے افراد کو ان کے ممالک میں واپس بھجوا دیا جہاں کی امریکہ نواز حکومتیں ان سے تفتیش کر سکیں۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سے اعلیٰ سطح کے القاعدہ راہنما ایران میں رہ رہے ہیں، جن میں سیف العادل، سعد بن لادن اور ابو حفص موریشین شامل ہیں۔ اگرچہ ایران میں ان کے قیام کے دوران ایرانی حکومت نے ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی ہوگی مگر بعض خبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہی القاعدہ افراد نے ۲۰۰۳ء میں سعودی عرب میں دہشت گردی کی کارروائی کی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایران کی ان پر کوئی خاص گرفت نہ تھی۔ گو ایران کا دعویٰ ہے کہ اس نے سعودی عرب میں بم حملوں میں ملوث افراد سے رابطہ رکھنے والوں سے سختی سے نمٹا ہے۔ تاہم اس کے القاعدہ کے ساتھ طویل المیعاد مراسم واضح نہیں ہیں۔ اور اس کے ماضی کے بعض اعمال وافعال بھی مشتبہ ہیں۔

بظاہر ایران جہادیوں کے ساتھ اپنے رابطوں کے دروازے کھلے رکھنے کے حق میں ہے مگر اسے اس کا بھی پورا پورا احساس ہے کہ کھلم کھلا جہادیوں کی حمایت کی اسے کیا قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ علاوہ ازیں بہت سے جہادیوں کے نزدیک تو شیعہ واجب القتل ہیں۔ پھر عراق میں فرقہ وارانہ تشدد بھی بڑھ رہا ہے مگر دوسری طرف یہی جہادی ایران کے لیے ایک مؤثر ہتھیار ثابت ہوں گے۔ کم از کم یہ تو ہوگا ہی کہ ایران ان جہادیوں کو اپنے قبضے میں رکھ کر مغرب کے ساتھ انہیں سودے بازی میں استعمال کر سکے گا۔ یا شاید ایران کو توقع ہوگی کہ وہ ان القاعدہ رہنماؤں کے بدلے میں مجاہدین خلق پر قابو پا سکے گا جو عراق میں ایران کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث رہے مگر صدام کی حکومت کے خاتمے کے بعد امریکی حکومت نے انہیں اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی نہ کسی حوالے سے ایران مجاہدین کو مستقبل میں اپنے حلیفوں کے طور پر دیکھ رہا ہو۔

دیگر مقامات پر امکانات باقی رکھنا

اگرچہ مشرقِ وسطیٰ اور یورپ میں ایران نے دہشت گردوں کے ساتھ تعلقات منقطع کر دیے

ہیں مگر یہاں کے بہت سے انتہا پسند گروہوں کے ساتھ اس کے رابطے آج بھی موجود ہیں۔ انہی رابطوں کے ذریعے سے ایرانی اہلکار جب بھی مناسب سمجھیں گے ان خطوں میں پھر سے دہشت گردی کو ہوا دے سکیں گے۔ اس کے علاوہ یہ رابطے ایک حفاظتی گنجائش کی حیثیت رکھتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے امریکہ اور ان دوسرے ممالک کو خفیہ حملوں کے خوف میں مبتلا رکھا جائے تاکہ وہ مذہب پسند ایرانی قیادت کے خلاف کارروائی کا نہ سوچ سکیں۔

حائل رکاوٹیں

اگرچہ ایرانی معاونت نے دہشت گرد گروہوں کو مزید خطرناک بنا دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی مثال حزب اللہ ہے، تاہم تہران کی طرف سے اس کے بیرون ملک جنگجو کارندوں پر کچھ پابندیاں اور رکاوٹیں بھی ہیں، اس لیے کہ اگر یہ کارندے ایک خاص حد سے زیادہ تباہی پھیلاتے ہیں تو نشانہ بننے والی ریاستیں، مثلاً اسرائیل، امریکہ اور دیگر طاقت ور ممالک کی طرف سے شدید قسم کی جوابی کارروائی کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹۹۶ء میں خبر ناور پر ہونے والے دہشت گرد حملوں کے بعد سے ایران نے خلیج فارس کے شیعہ گروہوں کی جانب سے امریکی فوجوں پر کیے جانے والے حملوں کی حمایت ترک کر دی کیونکہ اسے عالمی معاشی اور سیاسی بلکہ بعض صورتوں میں عسکری دباؤ بڑھنے کا خطرہ تھا، حالانکہ ایران دل سے یہی چاہتا ہے کہ امریکہ ان علاقوں سے جتنی جلد ممکن ہو نکل جائے۔ ان حملوں کے بعد ایرانی قائدین کو یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ کہیں انہوں نے وہ حد پار تو نہیں کر لی ہے جو انہوں نے خود ہی جوابی کارروائی یا حملے سے محفوظ رہنے کے لیے قائم کر رکھی تھی۔ اسی طرح ایران نے ۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ کے نتیجے میں صدام کا تختہ الٹنے کی مخالفت کی کیونکہ اسے احساس تھا کہ عراق کے براہ راست فاتح امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مکمل کنٹرول میں آنے کے بعد ایران کے ساتھ ان کی رقابت بڑھ سکتی تھی۔ حالانکہ صدام حسین شیعوں کے بڑے پیمانے پر قتل میں براہ راست ملوث تھا۔

ایسی پابندیاں یا مجبوریاں اس وقت کھل کر سامنے آتی ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دہشت گرد

گروہ موقع کے باوجود کچھ نہیں کر رہے۔ مثلاً جوں ہی ایران نے یورپ اور خلیجی ریاستوں میں اپنی کارروائیاں روکیں لبنان کی حزب اللہ تحریک نے بھی امریکی اور اسرائیلی ٹھکانوں پر حملے ترک کر کے اپنی پوری توجہ حفاظتی علاقے (سیکیورٹی زون) سے اسرائیلی انخلا کی کوششوں پر مرکوز کر دی اور اس کوشش کو بہرحال عالمی رائے عامہ نے جائز قرار دے دیا۔

امریکی دباؤ کی حدود کار

اسلامی انقلاب کے بعد سے ہی تخریب کاری نے ایران-امریکہ تعلقات کو خراب کر دیا۔ واضح رہے کہ ۸۰ اور ۹۰ کی دہائیوں کے دوران امریکہ نے جس قدر دباؤ ایران پر ڈالا ہے اتنا کسی بھی اور ملک پر نہیں پڑا۔ یرغمالیوں کے مسئلے کے بعد سے امریکہ نے ایران سے سفارتی تعلقات بھی منقطع کر لیے۔ ۱۹۸۸ء میں شروع ہونے والی ایران عراق جنگ کے دوران امریکہ نے عراق کو خفیہ معلومات کی فراہمی اور ہتھیار مہیا کرنے کے علاوہ بھی کئی طرح سے مدد دی تا کہ ایران کو مذاکرات کی میز پر آنے پر مجبور کیا جا سکے۔

ایسے حالات بھی سامنے آئے جب ایران اور امریکہ کے مابین تناؤ باقاعدہ جھڑپ کی شکل اختیار کر گیا۔ جب ۱۹۸۸ء میں ایران کی بحریہ نے ان آئیل ٹینکرز پر حملہ کیا جن پر امریکی جھنڈے لہرا رہے تھے، تو امریکہ نے جوابی کارروائی کے طور پر ایرانی بحریہ کے کئی جہاز ڈبو دیے اور کئی آئل پلیٹ فارم تباہ کر دیے۔ اسی دوران امریکہ نے غلطی سے ایک ایرانی ہوائی کمپنی کا جہاز بھی مار گرایا جس کے نتیجے میں ۳۰۰ مسافر ہلاک ہو گئے۔ یہ ایسی غلطی تھی جسے یاد کر کے آج بھی ہر ایرانی کا خون کھولنے لگتا ہے۔ امریکی کارروائی اس لحاظ سے خاصی کامیاب رہی کہ اس کے نتیجے میں ایران نے خلیج میں عراقی حلیفوں کو خوف زدہ کرنے کی کوشش ترک کر دی۔

۱۹۹۱ء کی خلیجی جنگ کے بعد سے امریکہ نے اپنی فوجیں خلیج سے کبھی نہیں نکالیں۔ تب سے آج تک خلیج میں امریکی افواج کی تعداد ۸۰۰۰ سے ۲۵۰۰۰ کے درمیان رہی ہے۔ اسی دوران امریکہ نے

خلیجی ریاستوں میں اپنے کئی ہوائی اڈے قائم کر لیے ہیں اور اپنی عسکری پوزیشن بہتر بنائی ہے۔ اس موجودگی کا اصل مقصد اسرائیل کی توسیع پسندی کو مزید تقویت دینا اور عراقی حکومت کو بغداد تک محدود رکھنا تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ نے اس موجودگی کو کہیں ڈھکے چھپے اور کہیں کھلم کھلا، ایرانی ممکنہ شورش کو دبانے اور اس کے علاقائی اثرات کو کم کرنے کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔

امریکہ نے ایران کے راستے روکنے کے کچھ خفیہ اقدامات بھی کیے ہیں؛ مثلاً ۱۹۹۵ء میں امریکی کانگریس نے دو کروڑ امریکی ڈالر اس مقصد کے لیے مختص کیے کہ انہیں ایرانی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ اس کارروائی سے جو بیک وقت ظاہر بھی تھی اور خفیہ بھی۔ کوئی خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کیے جا سکے۔ البتہ ۱۹۷۷ء میں امریکہ نے آپریشن سیفائر شروع کیا جس کے نتیجے میں دنیا کے مختلف خطوں میں سرگرم ایرانی جاسوسوں کا تقریباً خاتمہ کر دیا گیا۔

اگرچہ ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد ایران کے خلاف پابندیاں امریکی پالیسی کا اہم ترین عنصر رہی ہیں تاہم ان کے ذریعے ایران کو دہشت گرد تنظیموں اور گروہوں کی سرپرستی سے باز نہیں رکھا جا سکا، بلکہ انقلاب کے فوراً بعد سے بعض ایرانی طلبہ نے دوسرے سرگرم عمل افراد کی مدد سے امریکی سفارت خانے کے ۶۶ کے قریب اہلکاروں کو یرغمال بنا لیا جن میں سے ۵۲ امریکی اور باقی دیگر غیر ملکی تھے۔ اس کے جواب میں امریکہ نے ۱۲ بلین ڈالر کی ایرانی رقم (جو امریکی بنکوں میں تھی) ضبط کر لی، کروڑوں ڈالر کے دفاعی سامان کے سودے منسوخ کر دیے اور امریکہ میں ایرانی مصنوعات کی درآمد پر پابندی عائد کر دی۔ اگرچہ اقوام متحدہ کے ادارے نے اس ضمن میں امریکہ کا ساتھ نہیں دیا، نہ کسی اور ریاست پر پابندی لگائی مگر جاپان اور بعض مغربی یورپی ریاستوں نے اپنے طور پر ایران کو اسلحے کی فراہمی بند کر دی، نئے معاہدے جن پر دستخط ہونا باقی تھے منسوخ کر دیے اور اس انقلابی ملک میں سرمایہ کاری سے ہاتھ کھینچ لیا۔

امریکی پابندیاں یرغمالوں کا مسئلہ حل ہو جانے کے باوجود بھی جاری رہیں۔ امریکہ ایران دشمنی پر کمربستہ رہا اور جواز یہ دیا کہ ایران انتہا پسند گروہوں کو، جن میں سے بعض دہشت گرد ہیں، کی سرپرستی

کرتا ہے اور یوں مشرق وسطی میں اسلامی انقلاب پہنچانا چاہتا ہے۔ ممکنہ دہشت گردی کی روک تھام کے لیے ایران پر امریکی پابندیوں کے کچھ اور مقاصد بھی تھے جن میں ایران کی تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تیاری کے پروگرام کی بندش، اس کے عمومی فوجی ہتھیاروں کی تیاری کی صلاحیت کا حاتمہ اور ایران کے مشرق وسطیٰ کے امن مشن پر اثر انداز ہونے کے ممکنہ کردار کا خاتمہ شامل تھے۔

اس طرح ہر سال ایران پر امریکی پابندیوں کی تعداد اور نوعیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ۱۹۸۴ء میں ایران کو ان ریاستوں میں شامل کر دیا گیا جو دنیا میں دہشت گردی کی سرپرستی کرتی ہیں اور یوں اسے لازمی اقتصادی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خصوصاً امریکہ نے ایران کو ہتھیاروں کی فروخت روک دی۔ یہ ایران کے لیے ایک زبردست دھچکا تھا کیونکہ انقلاب سے قبل ایران مکمل طور پر امریکی دفاعی نظام پر اکتفا کرتا رہا تھا۔ اور اب اسے (۱۹۸۰-۱۹۸۸ء) عراق کے ساتھ جنگ کی صورت میں زندگی اور موت کا مسئلہ درپیش تھا۔ ۱۹۸۷ء میں دہشت گردی ہی کے الزام کے تحت امریکہ نے زیادہ تر ایرانی مصنوعات کی درآمد پر پابندی عاید کر دی۔ سرد جنگ کے اختتام کے باوجود ایران کے خلاف امریکی پالیسی جاری رہی۔ ۱۹۹۵ء میں صدر کلنٹن نے ایران کے تیل کے سیکٹر میں سرمایہ کاری روک دی۔ گویا امریکہ نے دوسرے ممالک سے بھی تیل کی ایسی برآمد کی مخالفت کی جس کی پائپ لائن ایران سے گزرتی ہو۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی بینکوں کو ایران کے لیے قرضے کی سہولت فراہم کرنے سے روک دیا اور بین الاقوامی اداروں میں ایران کی رکنیت کی بھرپور مخالفت کی۔

اس مرحلے پر امریکہ نے اپنی پابندیوں کا دائرہ ان ممالک اور ریاستوں تک بڑھا دیا جو ایران کی حمایت یا اس ملک میں سرمایہ کاری پر مائل تھے۔ ۱۹۹۶ء میں امریکہ میں دہشت گردی کے مخالفت اور سزائے موت کے حق میں پاس ہونے والے قانون کے نتیجے میں ایران کے ساتھ کسی بھی قسم کے مالی تعلقات کا امکان ختم ہو گیا اور وہ ممالک بھی متاثر ہوئے جنھوں نے کسی بھی حد تک ایران کو فوجی (ساز و سامان کی صورت میں) مدد فراہم کی تھی۔ اسی سال امریکی کانگریس نے ایران، لیبیا سینکشنز ایکٹ (آئی ایل ایس اے) پاس کر دیا، جس کے نتیجے میں ان بین الاقوامی کمپنیوں کو سزا دی جا سکتی تھی

جوایران کی تیل کی صنعت میں دو کروڑ سے زائد سرمایہ کاری کا ارادہ کریں۔

۱۹۹۰ء کی دہائی میں ایران پر امریکی دباؤ اور بھی بڑھ گیا۔ بہت سے یورپی ممالک نے اس معاملے میں اپنی مصالحانہ کوششوں کو بروئے کار لانا چاہا اور اس سرگرمی کو ''کریٹیکل ڈائیلاگ'' کا نام دیا۔ دراصل یورپی اقوام اس امر کے باوجود کہ انہیں امریکہ کے مقابلے میں حال ہی میں ایرانی دہشت گردی کا نشانہ بننا پڑا تھا، ایران کو اتنا بڑا خطرہ ماننے پر تیار نہ تھیں۔ علاوہ ازیں بعض یورپی ممالک کا خیال تھا کہ گفت وشنید ایرانی معاندانہ جذبات کو نرم کر سکے گی۔

اس کریٹیکل ڈائیلاگ کے باوجود ایران نے ۹۰ء کی دہائی کی ابتدا سے درمیان تک دہشت گردی کی سرپرستی کا سلسلہ جاری رکھا اور وہ اس امر کو بھی خاطر میں نہیں لایا کہ اس طرح اسے عالمی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ یورپی ممالک کے ساتھ ایرانی مراسم میں دو واقعات کے باعث تناؤ پیدا ہو گیا۔ ایک تو ایران نے یورپ میں موجود اسلامی انقلاب کے ایرانی باغیوں کے قتل کا سلسلہ جاری رکھا اور دوسرے اس نے برطانوی شہری سلمان رشدی کو (اس کی بدنام زمانہ کتاب ''شیطانی آیات'' کی اشاعت کے باعث) واجب القتل قرار دے دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ امریکہ نے اپنے سفارت کاروں کے ذریعے یورپی ممالک پر ایران کے خلاف شدید رویے کے لیے دباؤ جاری رکھا بلکہ اسے مزید بڑھایا۔ خبر ٹاور پر حملے کے نتیجے میں نہ صرف امریکہ نے خود شدید غم و غصے کا اظہار کیا بلکہ اسے دہشت گردی کے خلاف یورپی اقوام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے ایک بڑا بہانہ ہاتھ آ گیا۔

اس مرحلے پر ایک تو ایران پر پابندیوں کے مجموعی اثرات ظاہر ہونے لگے اور اسے اپنی تنہائی کا شدید احساس ہوا اور یہ خطرہ بھی بڑھ گیا کہ اب عالمی ردعمل شدت سے سامنے آ سکتا ہے۔ چنانچہ ایران نے ایسی دہشت گردانہ کارروائیوں میں براہ راست حصہ لینا ترک کر دیا۔ یہ صدر رفسنجانی کا فیصلہ تھا جو کافی حد تک اصلاح پسند سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نہ صرف ایرانی باغیوں کے قتل عام کو روکا بلکہ خلیج میں اپنے ہمسایوں کے ساتھ بھی تعلقات کو معمول پر لانے کی کوشش کی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہے کہ صدر رفسنجانی اور ان کے ساتھی، امریکہ - یورپ اتحاد کی جانب سے مشترکہ ردعمل کے

خطرے کے بارے میں کافی حساس اور محتاط ہیں۔

امریکی پابندیوں میں ۹۰ء کی دہائی کے آخر میں کمی آئی کیونکہ امریکہ نے محسوس کر لیا تھا کہ ۱۹۹۷ء میں صدر خاتمی رفسنجانی کی قیادت میں آنے والی نئی اصلاح پسند ایرانی حکومت ایران کو راہ راست پر لے آئے گی۔ اسی سال صدر کلنٹن نے ایران کو منشیات کی سمگلنگ کرنے والی ریاستوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور مجاہدین خلق جیسے خطرناک قاتل گروہ، جسے پہلے محض اس لیے واشنگٹن کی ہمدردی حاصل تھی کہ یہ ایران کی مذہبی قیادت کے مخالف تھے، قاتل اور دہشت گرد گروپ قرار دے کر ان کی تنظیم کو ''غیر ملکی دہشت گرد تنظیموں'' کی ابتدائی فہرست میں شامل کر دیا۔ ۱۹۹۸ء میں کلنٹن انتظامیہ نے فرانسیسی آئل کمپنی ''ٹوٹل'' کو ILSA کے تحت لگائی گئی پابندیوں پر رعایت دے کر سرمایہ کاری کی اجازت دے دی۔ مقصد یہ بھی تھا کہ اس سے ٹرانس اٹلانٹک کرائسس سے نمٹنے میں مدد ملے گی۔ اسی موقع پر سیکرٹری البرائٹ نے اپنی تقریر میں خاتمی کے صدر منتخب ہونے پر انہیں مبارک باد دی اور امریکہ-ایران خوشگوار تعلقات کے آغاز کی امید ظاہر کی۔ اس کے ایک سال بعد ایران کو غذا اور ادویات برآمد کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ ۲۰۰۰ء میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے ایران سے قالین، سمندری غذا اور پستہ برآمد کرنے کی اجازت دے دی۔ بظاہر تو ان اقدامات کا ایرانی معیشت پر کوئی بڑا اثر نہ ہوا، مگر ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ امریکی وسعتِ ظرف کو ظاہر کرتے ہوئے مزید الزام تراشی کے بہانے تراشے جا سکیں۔

یہ امر بہت اہم اور قابل ذکر ہے کہ کلنٹن انتظامیہ نے خُبر ٹاور پر حملے کے جواب میں کوئی عسکری کارروائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا حالانکہ اس حملے میں ایرانی ساز باز کے واضح ثبوت موجود تھے اور اس رویے یعنی کارروائی نہ کرنے کا امریکی اہلکاروں نے جواز یہ دیا کہ ایسا کرنے سے ایران میں اصلاح احوال کے حوالے سے شروع ہونے والے عمل کے مخالفین کو تقویت ملے گی۔ پھر یہ بھی کہ ماضی میں جب کبھی ایسی دہشت گردی کے خلاف معمولی عسکری کارروائیاں کی گئیں، زیادہ کارگر ثابت نہیں ہوئیں۔ مزید یہ کہ حملے ۱۹۹۶ء میں ہوئے جن کو کافی وقت گزر چکا تھا۔ ادھر ایران بھی اصلاح کی

طرف مائل تھا۔ سو ایسی عسکری کارروائی کے لیے عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنا آسان نہ تھا۔

اگرچہ امریکی پابندیوں کے نتیجے میں دہشت گردی میں کوئی خاص کمی تو واقع نہیں ہوئی تاہم ان سے ایران کو خاطر خواہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر جب امریکہ نے آئی ایم ایف اور عالمی بینک پر ایران کو قرض کی سہولتوں کی فراہمی پر پابندی عائد کردی تو ایران کے لیے غیر ملکی قرضوں کی واپسی ایک شدید مسئلے کی حیثیت اختیار کرگئی۔ ۱۹۹۸ء تک، جب ٹوٹل نامی آئل کمپنی کو ایران کے ساتھ کاروبار کی اجازت دی گئی تھی، آئی ایل ایس اے نے ایران میں ہر طرح کی بیرونی سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی کی۔ اس صورت حال نے بعض دوسرے عوامل کے ساتھ مل کر ایران کی تیل کی صنعت کے خستہ حال ڈھانچے کی (بہتری کے لیے کی جانے والی) ترقی کی کوششوں کو سست کردیا۔ البتہ میگن اوسٹلی ون کے بقول ایرانی معیشت کو دلدل میں دھکیلنے کے لیے پابندیاں واحد جواز نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ تیل کی قیمتوں میں بے پناہ اضافہ (جو ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کی دہائیوں کے دوران واقع ہوئی) کے علاوہ عراق سے جنگ اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ بھی اس کی وجوہات میں شمار کی جاسکتی ہیں۔

اگرچہ ایران پر پابندیوں کے اثرات خاصے واضح تھے تاہم دہشت گردی کے حوالے سے بالخصوص ایران کے سیاسی رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ البتہ ایران نے اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کا رخ یورپ، مشرقِ وسطیٰ سے ہٹا کر اسرائیل کی طرف کردیا۔ اس تبدیلی سے خطے میں امریکی مفادات کو یقیناً زک پہنچی ہے۔ بلکہ ان پابندیوں کے نتیجے میں ایران کی امریکہ دشمنی میں اضافہ ہوا ہے اور ایران کو یہ کہنے کا موقع میسر آگیا ہے کہ امریکہ دراصل ایران میں رونما ہونے والے اسلامی انقلاب کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔

ایران ان پابندیوں کو ایک طویل مدت تک سہار گیا (جو حیران کن ہے مگر) اس کی کئی وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ ان پابندیوں کی جو قیمت ایران کو چکانا پڑی وہ اس کے لیے قابل برداشت تھی اور اس نے اچھے خاصے نقصانات کا مقامی ذرائع سے ازالہ کرلیا۔ اگرچہ ایرانی مصنوعات کی سب سے بڑی منڈی امریکہ ہی تھا مگر ایران نے اس دوران کئی متبادلات تلاش کرلیے اور بعض دوسرے

ممالک کے ذریعے اپنی مصنوعات امریکہ ہی میں فروخت کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ دوم یہ کہ تیل ایک عالمی تجارتی جنس ہے جسے پوری دنیا استعمال کرتی ہے لہٰذا کسی ایک ملک کی طرف سے عاید پابندیوں کے نتیجے میں ضروری نہ تھا کہ ایران اچھی قیمت پر تیل کہیں بھی نہ بیچ سکتا۔

چونکہ ایرانی قیادت اسلامی انتہاپسندی اور ایرانی قوم پرستی کی بنیاد پر اقتدار میں آئی تھی اور یہ دونوں عوامل امریکہ کے لیے خوف ناک اور نقصان دہ تھے لہٰذا ایرانی حکمران سمجھتے تھے کہ امریکہ کی ہاں میں ہاں ملانے کی انہیں اچھی خاصی قیمت چکانا پڑے گی۔ اگر یہ قیادت امریکی مداخلت کو راہ دے دیتی تو خطرہ تھا کہ انہیں فوراً ''امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت'' قرار دے دیا جاتا جو اس حکومت کا سب سے بڑا جرم بن جاتا کیونکہ اس حکومت کے برسر اقتدار آنے کے پیچھے ایران میں آنے والا امریکی مخالفت کا ریلا کارفرما تھا۔ حالیہ سالوں میں ایرانی قیادت میں قدامت پسندی کا ارتکاز، جو جون میں ہونے والے انتخابات کے ذریعے محمود احمدی نژاد کے انتخاب پر منتج ہوا ہے، صورتِ حال کو مزید خراب کرے گا۔

اس تمام معاملے میں امریکہ کو بھی کچھ کم قیمت ادا نہیں کرنا پڑی، کیونکہ پابندیوں ہی کے نتیجے میں امریکی کمپنیوں نے سرمایہ کاری اور کاروبار کے مواقع گنوائے، جو پابندیاں بالواسطہ طور پر لگائی گئیں وہ اور بھی مہنگی پڑی ہیں، کیونکہ آئی ایل ایس اے کے تحت پابندیوں کے نتیجے میں یورپ کے کئی ممالک کی طرف سے احتجاج کی صدا بلند ہوئی ہے۔

ایران اور بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار

اوپر کی سطور میں حالات کی جو تصویر کشی کی گئی ہے وہ کوئی دلکش تو نہیں مگر کوئی خاص حوصلہ شکن بھی نہیں۔ ایک اہم نقطہ، اس حوالے سے، یہ ہے کہ ایران کا ماضی کا رویہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ شاید اپنے کیمیائی، حیاتیاتی اور نیوکلیائی ہتھیار کبھی دہشت گرد گروہوں کے ہاتھ نہیں لگنے دے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ ہتھیار انتہائی تباہ کن ہیں یا یہ کہ ان کے نفسیاتی اثرات کے باعث خوف و ہراس بہت زیادہ

بڑھ سکتا ہے، چاہے ان سے ہلاکتیں کم ہوں، مگر انہیں پھیلانے کے باعث ایران کے خلاف شدید عسکری ردعمل کا جواز پیدا ہوسکتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایران کو احساس ہے کہ چونکہ ایسے ہتھیار مکروہ حد تک ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں لہٰذا ان کے استعمال سے دہشت گرد گروہوں کے ساتھ ساتھ ان کی سرپرست ریاست (ایران) کی شہرت اپنے دوستوں میں بھی داغدار ہوسکتی ہے۔ اس لیے اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ ایران نے صلاحیت اور امکانات حاصل ہونے کے باوجود کسی دہشت گرد گروہ یا ایجنٹ کو ان ہتھیاروں کی ہوا بھی نہیں لگنے دی۔

تہران کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس نے آج تک کسی دہشت گردی میں اپنے ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ساری کی ساری دہشت گردانہ کارروائیاں لبنانی حریت پسند گروہ حزب اللہ کے ذریعے سرانجام دی ہیں۔ ایرانی ماہر کینتھ پولک کے بقول ایران نے حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار (ایٹمی ہتھیاروں کا ابھی کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) اس لیے بھی استعمال نہیں کیے کہ اسے احساس ہے کہ ایسے ہتھیاروں کے استعمال کا عسکری ردعمل انتہائی شدید اور فوری ہوگا۔ ایسے حالات میں اپنے بیرون ملک مصروف عمل کارندوں کے ذریعے بھی ایران ردعمل کو روک نہیں سکے گا۔

ایران کے لیے ایسے ہتھیاروں کے استعمال نہ کرنے کا مظہر ایک اور نکتہ بھی ہے اور وہ یہ کہ جدید ترین روایتی ہتھیاروں کی فراہمی کو بھی دنیا برداشت نہ کرے گی چہ جائیکہ کیمیائی ہتھیار مہیا کیے جائیں۔ چنانچہ ایران نے اپنے قریب ترین حلیف گروپ یعنی لبنانی حزب اللہ کو بھی ایسے ہتھیار مہیا نہیں کیے۔ حزب اللہ کے پاس جو اہم ترین ہتھیار ہیں وہ ۱۹۴۰ء میں روس میں تیار ہونے والے اسلحہ سازی کے نظام پر مبنی کتیوشا راکٹ لانچر ہیں۔ آج تک ایران کی سرپرستی میں چلنے والے کسی گروہ نے زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل استعمال نہیں کیے ہیں۔

گیارہ ستمبر کے واقعے نے بھی ایرانی کارروائیوں کو محدود کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ حملے اسرائیل کے لبنان سے انخلاء کے کوئی ایک سال بعد ہوئے۔ اس پر پوری دنیا میں جو واویلا ہوا اور اس کے نتیجے میں امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کیا اس سے ایرانی پراکسی گروپ

محتاط ہو گئے کہ کہیں انہیں القاعدہ کے ساتھ خواہ مخواہ منسلک نہ کر دیا جائے۔ ایرانی پراکسی گروہوں نے تباہ کن اور ہلاکت خیز ہتھیار حاصل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی جیسی کوششیں القاعدہ سے منسوب ہیں۔ انہیں اس سرخ لکیر کا احساس ہے جو امریکہ اور دوسرے ممالک نے دہشت گردی کے لیے تباہ کن ہتھیاروں کے استعمال کے ضمن میں کھینچ رکھی ہے۔ علاوہ ازیں ان گروہوں کی موجودہ حکمت عملی اور ہتھیار بھی خاصی جانیں لے سکتی ہے۔ درحقیقت جس قسم کے کیمیائی ہتھیار آج کل دستیاب ہیں ان کے ماہرانہ سے ماہرانہ استعمال کے باوجود ان سے کوئی بڑا جانی نقصان ممکن نہیں۔ ہاں البتہ ان کے معمولی جانی نقصان سے بھی نفسیاتی وجوہات کے باعث طویل وعریض علاقے میں دہشت پھیلائی جاسکتی ہے۔ چاہے ان کا روایتی ہتھیاروں کی مدد سے کم استعمال ہی کیوں نہ ہو۔

ایسا لگتا ہے کہ ایران انتہائی خصوصی حالات کے بغیر، اپنا رویہ بدلنے پر تیار نہیں۔ اس کے لیے روایتی دہشت گردی مثلاً لوگوں کی ہلاکت یا ٹرک بم وغیرہ کے استعمال سے خاصی دہشت پھیلتی ہے، لہٰذا ان کے رویے میں اسی وقت تبدیلی کا امکان ہے جب انہیں ایران پر چڑھائی جیسے خطرناک ردعمل کا احساس ہوگا۔

سفارشات

- امریکہ کو چاہیے کہ وہ اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ ایران اپنے پراکسی گروپوں کو روایتی ہتھیاروں کا نظام یا کیمیائی ہتھیار فراہم نہ کرے، متنوع اور زیادہ متبادلات کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تاکہ اس کی ایسے گروپوں کی حمایت میں قابل ذکر کمی لائی جاسکے۔
- یہ تو ظاہر ہی ہے کہ غیر روایتی ہتھیاروں کی دہشت گرد گروپوں کو فراہمی کے حوالے سے امریکہ کو ایران کے خلاف اپنا دباؤ جاری رکھنا ہوگا، بلکہ اسے امریکہ کو اپنی پالیسی کی کامیابی کا ایک واضح مظہر قرار دینا چاہیے۔ غیر روایتی ہتھیاروں کی دہشت گردوں کو فراہمی کے معاملے کو نہ صرف کلنٹن انتظامیہ نے بہت اہمیت دی تھی بلکہ اس معاملے کو بُش انتظامیہ نے بھی خصوصاً گیارہ ستمبر

کے واقعے کے بعد انتہائی اہم قرار دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بہت سی ریاستیں اس حقیقت کا ادراک رکھتی ہیں کہ اگر انہوں نے کیمیائی، حیاتیاتی اور ایٹمی تابکار ہتھیار دہشت گردوں کو فراہم کیے تو وہ گویا امریکہ کی قوتِ برداشت کے لیے خطرناک چیلنج ثابت ہوں گے۔

- سفارتی سطح پر اس دباؤ کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ جاسوس اداروں کی اولین ترجیح، دہشت گرد تنظیموں اور ہلاکت خیز ہتھیاروں کے درمیان تعلق کو تلاش کر کے روشنی میں لانا، ہونا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ حیاتیاتی، کیمیائی یا تابکار ہتھیاروں سے شاید بہت زیادہ جانی نقصان نہ ہو مگر اس کے نفسیاتی اثرات اتنے خطرناک ہو سکتے ہیں کہ عوام کا حکومت کی صلاحیتِ دفاع پر سے اعتماد ختم ہو سکتا ہے اور خصوصاً اس کے معاشی اثرات بھی خوف ناک ہوں گے۔
- ایران اور القاعدہ کے مابین کسی بھی طرح کے روابط کو منقطع کرنا بھی امریکی حکمتِ عملی کی اہم ترین ترجیح ہونی چاہیے۔ ایران کی روایتی پراکسی کی حیثیت سے القاعدہ وہ واحد گروپ ہے جو نہ امریکی ریڈ لائن کو خاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی ہلاکت خیز ہتھیاروں کی تلاش کو ناممکن سمجھتا ہے۔ امریکہ کو ایران پر واضح کر دینا چاہیے کہ وہ ایران کے القاعدہ کی ٹاپ قیادت کو ملک میں پناہ دینے یا ان سے بالواسطہ طور پر ہی سہی، کسی بھی قسم کے روابط کو برداشت نہیں کرے گا۔
- یہ بھی درست ہے کہ امریکہ تنہا نہ مسلسل دباؤ قائم رکھ سکتا ہے اور نہ ہی خفیہ معلومات تک رسائی اس طرح ممکن ہے۔ گزشتہ پابندیوں کے ایران پر واضح اثرات مرتب نہ ہونے کا امر ہی دراصل بین الاقوامی اتحاد کی اہمیت کو اجاگر کرتا تھا۔ اس کی مثال ایران کا وہ رویہ ہے جب ۱۹۹۰ء کی دہائی کے وسط میں ایران نے یورپ میں اپنی دہشت گردانہ کارروائیاں ترک کر دی تھیں اور وجہ یہی خوف تھا کہ اگر امریکہ پابندیوں کے ضمن میں یورپی اقوام کو ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا تو ان کی مشکلات میں خطرناک حد تک اضافہ ہو جائے گا۔
- ایران کی طرف سے دہشت گردوں کی حمایت میں کمی لانے کے لیے امریکہ کو ریاستی دہشت گردی کے حوالے سے اپنی حکمتِ عملی کو بتدریج مضبوط بنانا ہوگا۔ اس کے لیے ریاستی دہشت گردی کے

سرپرستوں کی فہرست بندی اور انہیں سزا دینے کے طریق کار سے متعلق ایگزیکٹو برانچ کو زیادہ اور متنوع اختیارات تفویض کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایگزیکٹو برانچ کو یہ اختیار بھی دیا جائے کہ وہ ایسے ممالک کو مراعات دے سکے جن کے دہشت گردی کے خلاف رویے بہتر ہوئے ہوں خواہ وہ امریکہ کے متعین معیار پر ابھی پورے نہ اترتے ہوں۔

- یہ بات بھی لازم ہے کہ فہرست اور نوعیتیں (جن کے خلاف کارروائی کا فیصلہ ہو) اس قدر واضح ہونی چاہییں کہ ایران کی دہشت گردوں کو فراہم کی گئی معاونت کی تمام اقسام نشانہ بن سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایران کے افعال کے ساتھ ان معاملات پر بھی نظر رہے جن سے وہ اجتناب کرتا ہے مثلاً اگر وہ القاعدہ کی بالائی قیادت کو وہ ملک سے نکال باہر نہیں کرتا یا ان ملکوں کے حوالے نہیں کرتا جہاں ان کے خلاف قانونی کارروائی ہو سکے تو اسے بھی دہشت گردی کی حمایت قرار دیا جائے۔ ایران کو ان سرگرمیوں کا ذمہ دار بھی ٹھہرایا جانا چاہیے جن کی بدولت وہ اپنے پراکسی گروپ خصوصاً لبنانی حزب اللہ کو فلسطینی دہشت گردوں کی حمایت پر اکساتا ہے۔
- امریکہ کو یہ بات بھی سمجھنا چاہیے کہ ایران کے پاس دہشت گردوں کی سرپرستی کے متبادلات بڑے محدود ہیں۔ اس کی دوسری سرگرمیوں پر بھی امریکی توجہ کو مرتکز ہونا چاہیے جن میں ایران کا ایٹمی پروگرام اور عراق میں اس کی سیاسی سرگرمیاں شامل ہیں۔ اس لیے اگر ساری توجہ دہشت گردی پر مرکوز رہی تو ان دو شعبوں کو معقول اہمیت نہیں دی جا سکے گی۔ ایران نے امریکہ کے معاشی دباؤ کا پہلے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور آئندہ بھی کر گزرے گا۔ محدود عسکری کارروائی کے نتیجے میں ایک تو دہشت گردوں کے لیے ایرانی سرپرستی میں کوئی خاص کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ اور زیادہ انتقامی کارروائیوں پر اتر آئے گا، اور یہ سمجھ لے گا کہ کسی بھی قیمت پر امریکی دشمنی ختم ہونے والی نہیں۔ اس لیے امریکہ کے لیے بہترین حکمت عملی یہ ہوگی کہ وہ دیگر ملکوں کی معاونت سے ایران پر دباؤ بڑھاتا جائے، بہرصورت ایران کو یہی باور کرایا جانا چاہیے کہ کاؤنٹر ٹیررزم ہی امریکہ کی اصل پالیسی ہے۔